تمام احمدیوں کا یونیفارم لباسِ تقویٰ ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۰ / جولائی ۱۹۸۲ء بمقام مسجد احمدیہ مارٹن روڈ کراچی)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نظارہ تو ایک ہی ہوتا ہے لیکن نتائج مختلف اخذ کر لیے جاتے ہیں۔ اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اخذ کردہ مختلف نتائج ایک دوسرے سے بالکل متضاد ہوتے ہیں اور اتنے متضاد کہ گویا ایک کو دوسرے سے کوئی نسبت نہیں۔

اسی قسم کا واقعہ قرآن کریم کے متعلق ظہور میں آیا جب قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت، اس کی شعریت، اس کے نغماتی اثرات اور اس کے توازن سے متاثر ہو کر مختلف نتائج اخذ کئے گئے۔ ظاہر پرست، ظاہر بین آنکھ نے، جو تجزیہ نہیں کر سکتی، جو حکمت سے غور نہیں کرتی، ایک یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ تو شعر ہے۔ یہ نتیجہ اخذ کیا بَلۡ ہُوَ شَاعِرٌ (الانبیاء:٦) یعنی محمد مصطفی ﷺ شاعر ہیں۔ بہت گہرا اثر ہے ان کے کلام میں، بڑے نغماتی اثرات ہیں۔ فصاحت و بلاغت کا ایک دریا بہہ رہا ہے، یہ تو ہم مانتے ہیں۔ لیکن نبی ماننا یا یہ کہنا کہ خدا کا کلام ہے، یہ ہم تسلیم نہیں کر سکتے۔ شعروں سے مشابہت ہے کلام کو اور شاعروں سے مشابہت ہے نعوذ باللہ محمد مصطفی ﷺ کو۔ جن کی بصیرت کچھ آگے بڑھی ایک انچ یا دو انچ، انہوں نے اس سے زیادہ یہ کہا کہ شاعر بھی ہیں لیکن اس کمال کے کہ سحر کی حد تک ان کے شعر میں اثر پیدا ہو چکا ہے۔ سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ (القمر:۳) حیرت انگیز سحری اثرات ہیں اس کلام میں اور ساحر ہے۔ جادوگر ہے۔ اس سے زیادہ ہم نہیں مان سکتے۔

کیوں دھوکا کھایا ان کی آنکھ نے۔ اور اس آنکھ نے جو ابوبکر اور عمر اور عثمان اور علی رضوان اللہ علیہم کی آنکھ تھی، کیوں مختلف نتیجہ اخذ کیا؟ اس لیے کہ وہ ظاہر پرستوں کی آنکھیں نہیں تھیں، وہ غور کرنیوالوں کی آنکھیں تھیں، فکر کرنے والوں کی آنکھیں تھیں وہ ظاہری منظر کو دیکھ کر اس کے پس منظر میں ڈوبنے والی آنکھیں تھیں اور غور کے بعد نتیجہ اخذ کرنیوالی آنکھیں تھیں۔ وہ اس راز کو پا گئیں کہ اگرچہ شعری لحاظ سے بظاہر دونوں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا سوائے ادنیٰ اور اعلیٰ کے۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ کلام ہے تو شعر لیکن اتنے اعلیٰ معیار کا شعر ہے جو سحر کی حد میں داخل ہو گیا ہے، جادوگری تک پہنچ گیا ہے۔

لیکن یہ درست نہیں اس لیے کہ سحر اور شعر کا رخ مختلف ہوتا ہے اور نبوت کا رخ مختلف ہوتا ہے۔ نبوت کے تصورات اور افکار کی رو بالکل مخالف سمت میں بہہ رہی ہوتی ہے اور شعر اور جادوگری کی رو بالکل مخالف سمت میں بہہ رہی ہوتی ہے۔ ان کا آپس میں کوئی جوڑ ہی نہیں، کوئی تعلق ہی نہیں۔ دنیا کے شعر اور ادب کا جتنا بھی مجموعہ ہے اس میں ہمیشہ آپ رخ مادیت کی طرف دیکھیں گے۔ دنیاوی لذات کی طرف اس کا رخ پائیں گے۔ اعلیٰ حوالے سے بھی بات ہوگی تو بالآخر تان وہیں جا کر ٹوٹے گی کہ انسانی لذتوں کا ماحصل کیا ہے اور ظاہری تسکین کیسے ہوتی ہے؟ لیکن نبوت کے کلام میں ایک بالکل مختلف رو پائی جاتی ہے۔ وہ ادنیٰ، روزمرہ کی باتیں بھی شروع کرتی ہے تو تان آخر تقویٰ پر اللہ کے ذکر پہ ٹوٹتی ہے۔ وہاں اللہ کے حوالے سے بھی بعض دفعہ بات کی جائے تو تان دنیا پر جا کر ٹوٹتی ہے۔ شراب اور کباب پر جا کر بات ختم ہوتی ہے۔ یہاں ادنیٰ ادنیٰ روزمرہ کی باتیں کی جائیں تو تان جا کر تقویٰ پر ٹوٹتی ہے، تقویٰ پر جا کر ٹوٹتی نہیں بلکہ تقویٰ کی تان میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جو پھر کبھی نہیں ٹوٹتی۔ وہ ایسی تان ہے جس کو ابدیت حاصل ہے۔ اس فرق کی مثال میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ ایک شاعر کہتا ہے

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر (دیوان غالبؔ)

یعنی اللہ کا ذکر بھی ہو تو ہمارا ذہن جو بادہ مست ہے آخر بادہ اور شراب کی طرف پہنچ جاتا ہے اور اس کے حوالے کے بغیر ہم بات ہی نہیں کر سکتے۔ ذکرِ الٰہی بھی ہو تو شراب پر جا کر تان ٹوٹ رہی

ہے اوراس کے برعکس قرآن کریم کا اسلوب یہ ہے کہ ادنیٰ، روزمرہ کی باتیں پکڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر مضمون کو ختم کرتا ہے۔

اب لباس ہی کو لیجئے۔ دنیا میں یہ جو لباس کا ذکر ہے یہ شعر وادب میں بھی ملتا ہے اور مذاہب میں بھی ملتا ہے۔ اور قرآن کریم نے لباس کا جو مضمون باندھا ہے وہ نہ صرف یہ کہ دنیا کے شاعروں کے کلام میں نہیں ملتا بلکہ دنیا کے کسی مذہب میں یہ نظر نہیں آتا۔ میں علم کی بنا پر یہ بات کر رہا ہوں گو میرا علم حاوی نہیں محدود ہے۔ لیکن جتنی بھی انسانی علم کو دسترس ہو سکتی ہے میں نے موازنۂ مذاہب کے دوران غور کیا کہ اس مضمون کی آیت، بلکہ بیشمار اور آیات ہیں جن کے مضمون کو کسی الٰہی کتاب نے چھوا تک نہیں۔ بائیبل میں لباس کا ذکر ملتا ہے۔ انبیاء کے اس طرح کے فاخرانہ لباس تھے۔ یہ ہوا، وہ ہوا۔ فلاں بادشاہ نے یہ پہنا ہوا تھا۔ سلک و مروارید کی باتیں ہیں، اطلس و کمخواب کے قصے ہیں۔ مگر قرآن کریم لباس کے مضمون کو پکڑتا ہے اور ایک دم اچھال کر اس کو خدا تک پہنچا دیتا ہے۔ بیچ میں کوئی درمیانی دور ہی نہیں آتا۔ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ (الاعراف: ۲۷) حیرت انگیز کلام ہے۔ کہیں بات کرتا ہے لباس کی عبرت کے رنگ میں تو کہتا ہے۔ لِبَاسَ الْجُوْعِ (النحل: ۱۱۳) بھوک کا لباس۔ یعنی ظاہری لباس نظر سے غائب ہو جاتے ہیں اور مضامین ان کی جگہ لے لیتے ہیں۔ لباس کی ادنیٰ حالت کا بھی ذکر کرتا ہے جو لِبَاسَ الْجُوْعِ پر جا کر منتج ہوتی ہے اور اس کی اعلیٰ حالت کا بھی ذکر کرتا ہے جو لِبَاسُ التَّقْوٰى پر جا کے منتج ہوتی ہے۔

اس مضمون پر میں نے کچھ مختصر بات عید کے خطبے میں کی تھی، لیکن یہ بہت وسیع مضمون ہے۔ لِبَاسُ التَّقْوٰى کے معنی کیا ہیں؟ اس آیت کا جو اصل روحانی مقصد ہے وہ ایک بہت وسیع مضمون ہے لیکن میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارے ظاہری لباس سے بھی لِبَاسُ التَّقْوٰى کا ایک تعلق ہے اور وہ تعلق فوراً تو انسان کو سمجھ نہیں آتا۔ اگر انسان غور وفکر کرتا رہے اور اس کی زندگی پر پھیلے ہوئے واقعات جو ہیں ان کو مجتمع کرے اور غور کرے اور ان کی یادوں میں ڈوبے تو اس کے سامنے یہ مضمون ابھر جائے گا کہ انسان روزمرہ کے عام لباس میں بھی تقویٰ کے بارے میں آزمایا جاتا ہے اور مختلف حالتوں میں تقویٰ کا مضمون بھی بدلتا رہتا ہے۔ کبھی یہ دین کی طرف لے جاتا ہے، کبھی

اہم کاموں کی طرف لے جاتا ہے، کبھی اعلیٰ مقاصد کی طرف لے جاتا ہے اور بعض دفعہ یہ سب قوموں میں مشترک ہو جاتا ہے۔ اور جب بحیثیت انسان تقویٰ کی بات کرتے ہیں تو اور معنے بن جاتے ہیں۔ کبھی یہ الٰہی رنگ پکڑتا ہے تو تقویٰ کا مضمون اور ہی شان میں داخل ہو جاتا ہے، لیکن صرف ظاہری لباس کے حوالے سے بھی بات کی جائے تو بڑا پیارا مضمون بنتا ہے بڑا گہرا اور تفصیلی ہے۔ اس کا دائرہ ساری زندگی پر محیط ہے۔

اس ضمن میں مَیں اپنے بچپن کے تجارب کے حوالے سے بات کروں گا۔ ایک ایک چھوٹا چھوٹا واقعہ چنا ہے آپ کو بتانے کے لیے کہ اگر آپ بیدار فکر کیساتھ غور کریں تو ہر چیز میں کچھ نہ کچھ نصیحت آپ کو ملتی چلی جائے گی۔ باتیں بالکل ادنیٰ سی چھوٹی چھوٹی ہیں لیکن ان کے اندر گہرے سبق ہیں اور سب میں تقویٰ کا سبق مل رہا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر میں رواج اور دستور یہ تھا کہ بہت سادہ زندگی تھی۔ بیوی بچوں کو بہت تھوڑا دیتے تھے اور زیادہ توجہ چندوں کی طرف دلاتے تھے۔ اتنی سادہ زندگی تھی کہ کپڑے بعض دفعہ سی سی کے بھی اس قابل نہیں ہوتے تھے کہ پہن کر انسان سکول جائے چنانچہ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ شلوار تھی ،قمیص نہیں تھی اور سکول جانا تھا۔ میرے بہن، بھائی اب تک یاد کر کے بہت ہنستے ہیں اس لطیفے پر کہ میں نے اس خیال سے کہ سکول Miss نہ ہوا چکن خالی بدن پر پہن لی یعنی شلوار اور اچکن۔ اب میری آزمائش مقدر تھی۔ جب وہاں گیا تو پی ٹی کی گھنٹی آئی۔ استاد نے جب مجھے اچکن میں دوڑتے دیکھا تو بڑا حیران ہوا۔ اس نے کہا پاگل ہو گیا ہے۔ اس کو بلا کر باہر نکالو۔ اس نے مجھے کہا کہ اچکن اتارو اور پی ٹی کرو۔ اچکن کونسا لباس ہے پی ٹی کا؟ میں نے کہا نہیں۔ آپ کی بات سر آنکھوں پر لیکن اچکن اتار کے میں نے پی ٹی نہیں کرنی۔ تھوڑی سی چھینا جھپٹی ہوئی۔ انہوں نے میرے گریبان پہ ہاتھ ڈالا میں نے ان کی خوشامد کی کہ اس بات کو چھوڑ دیں۔ لیکن دو بٹن کھولے تو انہیں بات سمجھ آ گئی۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے تم بیٹھے رہو۔

تو مجھے خیال آیا کہ اعلیٰ مقاصد کے رستے میں لباس حائل نہیں ہونا چاہئے۔ جو لباس اعلیٰ مقاصد کے رستے میں حائل ہو جاتا ہے وہ تقویٰ کے خلاف ہے۔ اس ضمن میں مجھے صرف اس لحاظ سے لطف آیا کہ ایک موقع پر خدا نے مجھے کامیاب کر دیا۔ پھر خیال آیا کہ ناکامیوں کے بھی تو بہت سے

مواقع ہیں۔ ان کی طرف دھیان گیا تو کالج کے زمانے کی بہت سی باتیں یاد آئیں۔

حضرت مصلح موعود کا ذکر میں ساتھ ساتھ کر رہا ہوں محبت کے انداز میں تا کہ حضور کے لیے دعاؤں کی طرف توجہ پیدا ہو۔ بظاہر مضمون سے انحراف ہے لیکن پھر میں واپس اس کی طرف آ جاؤں گا۔

حضرت صاحب سادگی کا معیار تو رکھتے تھے لیکن مہمان نوازی کے بہت اعلیٰ معیار کے قائل تھے۔ ہماری والدہ بھی مہمان نواز تھیں لیکن ایک فطری رنگ میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی براہ راست تربیت تو ان کو حاصل نہیں تھی نا۔ لیکن حضرت مصلح موعود کو اصولوں کی ایسی گہری تربیت حاصل تھی کہ آپ کی مہمان نوازی کا معیار بہت بلند تھا۔ چنانچہ بارہا میری موجودگی میں ایسے واقعات ہوئے کہ آپ نے میری والدہ کو سبق دیے کہ مہمان نوازی کا یہ بھی تقاضا ہوتا ہے، یہ بھی تقاضا ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ کوشش کرتی تھیں کہ اس رنگ میں رنگین ہو جائیں۔ عورتوں کو یاد ہیں۔ بہت لوگوں کو یاد ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میری والدہ ہی مہمان نواز تھیں یہ پتہ نہیں تھا کہ پیچھے ہاتھ کونسا کام کر رہا تھا؟ ان چیزوں کو کون صیقل کر رہا تھا؟

ایک دفعہ کی بات ہے حضرت صاحب تشریف لائے اور کہا کہ فلاں چیز میں نے دی تھی، وہ ہے؟ مہمان آگئے ہیں۔ امی نے کہا نہیں، وہ تو ختم ہوگئی۔ حضور نے فرمایا کچھ لاؤ، مہمان آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا اس وقت تو کچھ بھی نہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ آئندہ ایک بات یاد رکھنا کہ جن گھروں میں اچانک آنا جانا ہو وہاں مہمان نوازی کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیشہ کچھ پس انداز کر کے رکھا جائے اچانک وقت کے لیے، چاہے دال روٹی ہو، چاہے چنے ہوں، لیکن ایسا وقت اس گھر پہ نہیں آنا چاہیے کہ کچھ بھی نہ ہو۔ ورنہ پھر انسان مہمان نوازی کے تقاضے پورے نہیں کر سکتا۔

چونکہ یہ تربیت کا رنگ تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود کے سارے بچوں میں، ہماری بہنوں میں بھی، بھائیوں میں بھی انکی توفیق کے مطابق مہمان نوازی کا جذبہ پیدا کیا۔ اور یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ ہر ایک میں یہ مادہ موجود ہے۔

اب اس مادے کا ٹکراؤ بعض دفعہ اقتصادی حالات سے ہو جاتا ہے۔ جب ہم کالج میں تھے تو اتنا سا وظیفہ ملتا تھا کہ یا مہمان نوازی کریں یا کپڑے پہنیں۔ دو چیزیں اکٹھی تو نہیں چل سکتی تھیں۔ چنانچہ عادۃً، فطرۃً تربیت کا اثر تھا کہ جو ہمارے کالج میں آنے جانے والے دوست تھے ان کے ساتھ

مہمان نوازی کا ایک نظام چل رہا تھا۔ اس لیے اکثر میرا پیسہ ٹک شاپ چلا جاتا تھا اور پہننے کے لیے بعض دفعہ کپڑے نہیں ہوتے تھے۔ شلواریں سیتے تھے تو آہستہ آہستہ وہ دُھل دُھل کر پتہ بن جاتی تھیں اور سِیون سے پھٹنے لگتی تھیں۔ اس وجہ سے میں نے کالج کی کئی کلاسیں Miss کیں۔ اب میں نے بعد میں سوچا تو میں ناکام ہوگیا۔ بچپن میں ایک موقع پر کامیاب ہوا۔ جوانی میں ترقی کرنی چاہئے تھی مگر میں ناکام ہوگیا۔ میری تعلیم کی راہ میں لباس کو حائل نہیں ہونا چاہئے تھا۔

یہ احساس، احساس کمتری جو ہے، یہ حکمت کا احساس نہیں ہے کہ ایک بچہ یا بڑا جو بھی ہو، وہ لباس کی وجہ سے اعلیٰ مقصد کے حصول میں ناکام رہ جائے۔ بے نیاز ہونا چاہئے ایسی بلند نگاہیں ہونی چاہیں کہ بالکل پرواہ ہی نہ ہو۔ وہ نگاہیں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو عطا ہوئیں جن کی خاطر کائنات پیدا کی گئی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں کہ بسا اوقات خود بیٹھ کر سوئی دھاگے سے کپڑے سی رہے ہوتے تھے اور بعض دفعہ پیوند پر پیوند لگ رہے ہوتے تھے اور پھر پیوند پر پیوند پر پیوند کے اوپر بھی پیوند لگ رہا ہوتا تھا۔ (مسند احمد بن حنبل جلد 6 ص 121) عظیم اور حیرت انگیز رسول تھا۔ ان چیزوں سے بالا تھا اور بے نیاز تھا۔ اچھے کپڑے آئے وہ بھی پہنے۔ جھوٹا فقر نہیں تھا۔ نہ جھوٹا فخر تھا، نہ جھوٹا فقر تھا۔ دونوں سے بے نیاز رسول۔ باہر سے اچھے کپڑے آئے بڑے خوبصورت جبے آئے یہ نہیں سوچا کہ میں پہنوں گا تو لوگ کہیں گے اوہو! یہ تو دنیا کی چیزیں پہن رہا ہے۔ جانتے تھے کہ اللہ نے یہ زینتیں مومنوں کے لیے پیدا کی ہیں۔ صرف تقویٰ ساتھ رہنا چاہئے۔

اگر تقویٰ کا لباس دنیاوی لباس کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائے تو پھر وہ الٰہی رنگ پکڑتا ہے ورنہ نہیں پکڑتا۔ ادنیٰ لباس بھی تکبر کا موجب بن جاتا ہے اگر اس خوف سے پہنے کہ اگر میں نے اعلیٰ پہنا تو لوگ کیا کہیں گے کہ اچھا! یہ دُنیا دار ہے۔ چیتھڑے پہنے ہوئے لوگ ذلیل ہو جاتے ہیں۔ حقیقت میں انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتے ہیں۔ اگر یہ جذبہ پیدا ہو جائے کہ میں چیتھڑوں میں بڑا ابزرگ لگوں گا، میں کم کھاؤں گا تو بڑا اچھا لگوں گا، لوگ کہیں گے یہ بڑا صوفی ہے، یہ بڑا نیک ہے، تو اس کو تو چیتھڑوں نے ہلاک کر دیا۔ اور اگر کوئی اچھا لباس پہن کر فخر سے دنیا میں پھر رہا ہے فقر کے مقابل پر، تو وہ اس آزمائش میں مبتلا ہو گیا اور جو اپنے غریب بھائیوں پر صرف اس لیے تکبر کی نگاہ ڈال رہا ہے کہ ان کے پاس تھوڑا لباس ہے یعنی چھوٹے درجے کا لباس ہے، میرے پاس

اچھے درجے کا لباس ہے، وہ بھی مارا گیا۔ تولِبَاسُ التَّقْوٰی رنگ بدلتا رہتا ہے۔ کہیں یہ آپ کے پاس غربت میں آزمائش کے لئے آجاتا ہے، کہیں امارت میں آزمائش کیلئے آجاتا ہے۔ اور ہر رنگ میں مومن کے لیے امتحان ہی امتحان ہے۔

اس مضمون پر غور کرتے ہوئے اب میں ایک اور طرف آپ کو لے جاتا ہوں۔ وہ بھی اپنی یاد کے ساتھ وابستہ قصہ ہے۔ اسی کے حوالے سے میں چند باتیں آپ سے عرض کرتا چلا جاؤں گا۔

جب میں انگلستان گیا تو وہاں میں نے انگریزی لباس پہنا۔ ہمارا پاکستانی عام سادہ لباس جو تھا وہ تو وہاں میرے نزدیک چل ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کا سنبھالنا بڑی مصیبت ہے۔ اب کون شلوار کو کلف دے اور استری کرے۔ اور پھر بڑا مہنگا پڑتا تھا۔ مجھے اس میں (یعنی انگریزی لباس پہننے میں) کوئی باک نہیں تھی۔ میں سمجھتا تھا اگر اس کو (انگریزی لباس کو) پہننے کی وجہ سے لوگ مجھے گنہگار سمجھتے ہیں تو سمجھتے رہیں کیا فرق پڑتا ہے۔ میں نے وہ لباس پہنا۔ جب واپس آنے لگا تو کسی نے کان میں یہ بات پھونکی کہ اب تم پاکستان جا رہے ہو، ربوہ پہنچو گے وہاں استقبال ہوگا اور یہ ہوگا، وہ ہوگا، اب تم شلوار قمیص اور اچکن پہن لو۔ میں نے کہا اب تو میں نہیں پہنوں گا۔ اگر یہ لباس (انگریزی لباس) میرے لیے گنہگاری کا لباس تھا تو پھر اس گنہگاری کا سب کو علم ہونا چاہئے۔ یہ تو عجیب بات ہے کہ بارڈر بدلنے سے لباس بدل جائیں۔ یہاں برقع پہنا ہوا اور جب عورت یورپ کے سفر پر جائے تو برقع یہاں چھوڑ جائے کہ یہ بارڈر کراس (Cross) نہیں کر سکتا۔ یا اچکن وہاں بارڈر کراس نہ کر سکے اور پتلون وہاں سے اِدھر بارڈر کراس نہ کر سکے یہ تو تمسخر ہو گیا دین تو نہ ہوا۔ اور آگے جا کر مجھے اس بات کا بہت لطف آیا۔ جب میں ربوہ سٹیشن پر پہنچا تو خدام الاحمدیہ نے بڑا استقبال کیا ہوا تھا کیونکہ میں کافی دیر وہاں قائد رہا ہوں۔ اور میں نے دیکھا نظریں بدل رہی ہیں۔ بعض لوگوں کو بڑا دھکا لگا۔ انہوں نے کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ بھیجا کیا تھا اور واپس کیا بن کے آیا ہے۔ مارے گئے ہم۔ بعض پچھتاتے ہوئے واپس چلے گئے کہ استقبال کی خواہ مخواہ ہم نے تکلیف کی۔ یہ تو چیز ہی اور بن گیا ہے۔ اچھا بھلا شلوار قمیص، وہ بھی پھٹی ہوئی، پہن کے پھرا کرتا تھا اور اب پتلون ڈانٹی ہوئی ہے، کوٹ پہنا ہوا اور ٹائی لگائی ہوئی ہے تو چہرے بڑے مایوس ہوئے اور مجھے بڑا لطف آیا۔ میں نے کہا الحمد للہ، خدا تعالیٰ نے مجھے ایک جھوٹی عزت سے بچا لیا جس کی مجھے کوئی تمنا، کوئی خواہش

نہیں۔اس کا احسان ہے اگر مبتلا کر دیتا تو میں مارا بھی جاتا۔

اسی طرح ایک دفعہ سندھ کے دورے میں ہوا۔حضور نے مجھے انگلستان سے آتے ہی وقفِ جدید میں لگا دیا۔جب سندھ کے دورے پر گیا تو دنیوی لحاظ سے ایک بڑی بیک ورڈ (Backward) جماعت میں بھی جانے کا اتفاق ہوا۔جس پر کچھ مولویت کا اثر بھی تھا۔ویسے تو میں عام لباس بھی پہننے لگ گیا تھا۔جو مرضی پہنتا تھا۔میں نے اس میں کبھی فرق نہیں کیا۔کیونکہ میرے نزدیک پتلون ہو، کوٹ ہو، کسی نے فرغل پہنا ہو، یا انڈونیشیا کی دھوتی پہنی ہو، یہ ساری بے معنی باتیں ہیں۔بامعنی بات صرف ایک ہے کہ ہر لباس کے ساتھ تقویٰ رہنا چاہئے چنانچہ وہاں میں نے جان بوجھ کر، عمداً ان کو ذرا چھیڑنے کے لیے اپنا بہترین سوٹ نکالا اور ٹائی پہنی اور ان کے پاس پہنچا۔تو مجھے آج تک وہ Shock یاد ہے، وہ دھکے جوان کی نظروں کو لگے۔بعض تو استغفار کرتے ہوئے وہاں سے واپس چلے گئے کہ یہ واقعہ کیا ہو گیا ہے۔پھر رفتہ رفتہ مختلف رنگ میں سمجھایا گیا۔آہستہ آہستہ عادتیں پڑیں۔کچھ حوصلے وسیع ہوئے۔

لیکن اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ نتیجہ یہ نہیں نکلتا کہ آپ مجھ پر رحم کریں کہ اوہو! میں بچپن میں تو اس طرح رہا کرتا تھا، اب مجھے کپڑوں کے تحفے دیں۔یہ نتیجہ بالکل نہیں نکلتا۔اگر کوئی یہ نتیجہ نکالتا ہے تو بڑی بیوقوفی کرتا ہے۔کوئی تحفہ نہیں آنا چاہیے۔زیادہ سے زیادہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب آپ مسجدوں میں جائیں اور اپنے غریب بھائیوں کو دیکھیں، ظاہری لباس سے بھی عاری جوان کیلئے کافی نہ ہو تو ان کی ہمدردی کریں۔ان کو لباس پہنائیں کیونکہ ہر لباس کے بدلے آپ کو تقویٰ کا لباس مل رہا ہوگا، آپ کو اللہ کی محبت کا لباس مل رہا ہوگا۔وہ لباس ایک ایسا لباس ہے جو مادی لباس سے مستغنی بھی ہے اور کبھی کبھی اس کے ساتھ تعلق بھی جوڑ لیا کرتا ہے۔خدا کی رضا کی خاطر اپنے غریب بھائیوں کی خدمت کریں۔عیدوں پر انکو اچھے کپڑے پہنائیں۔ان کیلئے سردیوں کے کپڑوں کا انتظام کریں۔یہ نتیجہ نکلتا ہے۔

دوسرے یہ بھی نتیجہ نہیں نکلتا کہ جو شخص بظاہر لباس سے مستغنی ہے وہی نیک ہے۔یہ بھی بالکل جھوٹ ہے۔کیونکہ تقویٰ کا لباس ظاہری نہیں، وہ اندر گھسا ہوا ہے۔یہ عجیب وغریب بات ہے۔تقویٰ کا چونکہ روح سے تعلق ہے اس لیے لباس نام ہونے کے باوجود یہ نظر نہیں آتا۔یہ روح کے گرد

لپٹی ہوئی کوئی چیز ہے جو باطن میں ہے۔اس لیے اگر آپ نے ظاہری لباس پر بنا کی تو یہاں بھی آپ دھوکہ کھا جائیں گے۔ ہزار دفعہ صوفی منش بزرگ نظر آنیوالے لوگ، خدا کی نظر میں ہوسکتا ہے متقی نہ ہوں۔ ہزار دفعہ ایسا بھی ہوگا کہ بظاہر لباس بڑے فاخرانہ ہیں، دنیا داری کے نظر آتے ہیں اچھے اور قیمتی کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور فی الحقیقت ان کے اندر تقویٰ بھی موجود ہے۔

ایسا ہی واقعہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی کے ساتھ ہوا، اتنا بڑا مقام ہے آپ کی ولایت کا، اتنا عظیم الشان مقام کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی تصدیق فرمائی اور بڑی محبت کا اظہار فرمایا۔ان کے متعلق آتا ہے کہ بڑا فاخرانہ لباس پہنا کرتے تھے یعنی دنیا جس کو فاخرانہ سمجھتی تھی۔ بڑے قیمتی قیمتی جوڑے بہت اعلیٰ قسم کے سجے ہوئے جن پر ہاتھ کی سب زینتیں لگائی ہوئی ہوتی تھیں، وہ آپ استعمال کرتے تھے۔تو کسی مرید نے اپنی لاعلمی میں سوال کر دیا کہ حضرت! آپ اتنے بزرگ ہو کے لباس کیوں اچھا پہنتے ہیں؟ انہوں نے کہا اچھا کیا تم نے پوچھ لیا، بدظنی نہیں کی۔ خدا کی قسم! میں کوئی جوڑا نہیں پہنتا جب تک میرا خدا مجھے نہیں کہتا کہ عبدالقادر! اٹھ اور یہ کپڑے پہن۔ میں ان کپڑوں سے بے نیاز ہوں میرے مولا کی ایک یہ بھی نظر ہے دنیا کو سبق دینے کی کہ:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ (الاعراف:۳۳)

ایک یہ بھی سبق ہے۔کون ہے جس نے خدا کے بندوں پر زینتوں کو حرام کر دیا؟ کہہ دے یہ تو مومنوں کے لیے پیدا کی گئی ہیں اس دنیا میں اور آخرت میں خاص ان کے لیے ہو جائیں گی۔ دنیا میں اور بھی شریک ہیں۔

پس جس طرح آنحضرت ﷺ کی ایک شان تھی کہ کبھی نہایت ہی پیارا قیمتی لباس آپؐ نے پہنا جب باہر سے تحفے آئے اور سادہ کپڑوں میں بھی چلے پھرے۔ نہ اِس پر شرمندگی کا احساس ہوا، نہ اس پر فخر کا۔ بالا ہو گئے، مستغنی ہو گئے۔

پس تقویٰ کا ایک سبق ہمیں یہ ملا کہ انسان حسب ضرورت اچھا بھی پہن سکتا ہے، برا بھی پہن سکتا ہے۔اس کے نتیجے میں ہم اگر یہ فیصلے کریں گے کہ فلاں متقی ہے اور فلاں غیر متقی تو بالکل

جھوٹ بول رہے ہوں گے۔ احمقانہ بات ہوگی۔ وہاں دخل دیں گے جہاں دخل دینے کا ہمارا کام کوئی نہیں۔ ہمارا تعلق ہی کوئی نہیں، ہمیں علم ہی کوئی نہیں۔ تو لباسوں سے کیوں فیصلہ کرتے ہیں۔

یہ وہی مضمون ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر توجہ دلائی کہ۔

فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۳﴾ (النجم: ۳۳)

کہ ہم بار بار تقویٰ تو کہتے رہتے ہیں تم کہیں اس دھوکے میں مبتلا نہ ہو جانا کہ ہم فیصلہ تم سے لیں گے کہ کون متقی بندہ ہے اور کون غیر متقی ؟ یہ صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى وہی بہتر جانتا ہے کہ تم میں سے متقی کون ہے؟ کیونکہ تقویٰ کا لباس آنکھ سے نظر نہیں آسکتا۔ وہ ایک روحانی مسئلہ ہے جس کو صرف خدا کی آنکھ دیکھتی ہے۔

پس اس پہلو سے ہمیں یہ بھی سبق ملا کہ لباس کو دیکھ کر ہم فیصلوں میں جلدی نہ کیا کریں۔ محض لباس کو دیکھ کر اگر فیصلے کریں گے تو بسا اوقات ٹھوکر کھائیں گے اور بعض دفعہ ٹھوکر نہیں بھی کھائیں گے تو گناہ میں مبتلا ہو جائیں گے کیونکہ خدا نے ہمیں اس کام کے لیے مقرر نہیں فرمایا۔ لباس اور تقویٰ کا ایک اور بھی تعلق ہے۔ آنحضرت ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے ہی یہ سبق ملتا ہے کہ لباس انسان کا غلام بنا رہتا ہے اور بحیثیت غلام استعمال ہونا چاہئے، انسان کا آقا نہیں بننا چاہئے۔ اور یہ جو مسلک تھا آنحضور ﷺ کا، یہ بھی قرآن پر مبنی ہے۔ قرآن کریم کہتا ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (الجاثیہ: ۱۴)

جو کچھ بھی زمین و آسمان میں ہے ہم نے تمہارا غلام بنایا ہے، تمہارا نوکر بنا کے رکھا ہوا ہے۔ اگر تم اسکی عبادت کرنے لگ جاؤ یا اسکو اپنے اوپر حاوی کر لو تو یہ شرک ہی شرک ہے۔ اپنے نوکر کی عبادت کرو گے؟ اپنے نوکر کے غلام بن جاؤ گے؟ تو کتنی حماقت ہے کتنی بیوقوفی ہے۔ گھاٹے کا سودا ہے سارے کا سارا۔ اس کی عبادت کرو، اس کے غلام بنو جس نے تمہارے لیے ان چیزوں کو بطور غلام، بطور نوکر اور چاکر کے مسخر کیا ہوا ہے۔ تو ہمیشہ جب کوئی انسان ایسا لباس پہنے جس کو دیکھ کر یوں محسوس ہو کہ وہ لباس کے ساتھ لٹکا ہوا ہے تو وہاں طبیعت میں ایک انقباض پیدا ہو جاتا ہے، طبیعت مکدر ہو جاتی ہے اور رحم آتا ہے۔ کیونکہ آدمی یہ فیصلہ تو نہیں دے سکتا کہ یہ غیر متقی ہے کیونکہ اس کا یہ مقام ہی نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کچھ اور بات ہو۔ لیکن وہ شخص خود ضرور جان سکتا ہے جس کی یہ کیفیت ہے۔

اس لیے میں آپ کو یہ نہیں کہہ رہا کہ آپ دوسروں کے لباس دیکھ کر یہ فیصلہ کیا کریں کہ وہ لباس کا آقا ہے یا لباس اس کا آقا ہے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اپنے لباس کے بارے میں ہمیشہ یہ فیصلہ کیا کریں اور اپنے نفسیاتی پس منظر کا بڑی باریک نظر سے مطالعہ کیا کریں کہ آیا آپ لباس کے غلام بن رہے ہیں یا لباس آپ کا غلام بن رہا ہے؟ آپ وہ ہینگر ہیں جس کے اوپر ماڈل کے طور پر لباس لٹکائے جاتے ہیں یا وہ انسان ہیں جن کی زینت کی خاطر لباس بنائے جاتے ہیں اگر آپ اپنا یہ زاویہ نگاہ درست کر لیں تو آپ کا ظاہری لباس بھی متقیانہ ہو جائیگا، وہ بھی صحیح ہو جائیگا۔

ان سب باتوں کو ملحوظ رکھنے کے بعد پھر اگلا قدم آتا ہے یعنی تقویٰ کے لباس کی حقیقت کیا ہے؟ تقویٰ کا لباس انسان کی ہر خامی کو ڈھانپ لیتا ہے اور تقویٰ کے مطابق ہی انسان کو زینت ملتی ہے۔ تقویٰ کا لباس نہ ہو تو جہاں جہاں سے یہ لباس نہیں ہوگا وہاں وہاں سے بدن ننگا ہو جائے گا۔ وہ روحانی لحاظ سے دھوپ کا بھی شکار ہوگا اور سردی کا بھی شکار ہوگا۔ اور خدا اور خدا والوں کی نظر میں وہ چیتھڑوں میں ملبوس شخص جیسا ہوگا۔ جتنا یہ لباس کامل ہوتا چلا جائے روحانی بدن ڈھکتا چلا جاتا ہے اور زینت عطا ہوتی چلی جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے فرمایا:

يٰبَنِيٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف:۳۲)

دیکھو کہ جب مسجدوں میں جاؤ تو اپنی زینت ساتھ لے کر جایا کرو۔ زینت سے کیا مراد ہے؟ کیا دنیا کی زینت مراد نہیں؟ وہ ثانوی معنی ہیں۔ مراد یہ ہے کہ تقویٰ کا لباس پہن کر جایا کرو محض لِلّٰہ مسجد کی طرف سفر کیا کرو۔ ہر قدم پر دعائیں کرتے ہوئے جاؤ توفیق مانگتے ہوئے جاؤ کہ خدا تعالیٰ مسجد سے تمہیں نیکی عطا کرے، ریاکاری سے بچائے عبادت کے حق ادا کرنے کی توفیق بخشے۔

اب چونکہ ساری دنیا سے احمدی سپین کی مسجد کے افتتاح پر پہنچیں گے اس لئے مجھے خیال آیا کہ ساری دنیا کے احمدیوں کو بتانے کی ضرورت ہے، یاددہانی کی ضرورت ہے کہ لوگ وہاں ظاہری طور پر تو مختلف بھیسوں میں آئیں گے، بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے، بھانت بھانت کے لباس میں ملبوس۔ کوئی انڈونیشیا سے آرہا ہوگا، کوئی امریکہ سے آرہا ہوگا، کوئی پاکستان سے آرہا ہوگا۔ کسی نے پگڑی پہنی ہوگی، کسی نے ٹوپی، کسی نے ہیٹ۔ اور جب وہاں اکٹھے ہوں گے تو آپ کو اس وقت محسوس ہوگا کہ لباس میں فخر کا کوئی سوال ہی نہیں۔ مختلف قوموں کے فطری تقاضے ہیں۔ نہ وہاں

پگڑی فخر کا موجب رہے گی، نہ ٹوپی ذلت کا موجب، نہ ہیٹ کسی قسم کی فضیلت کا موجب رہے گا نہ ننگے سر ہونا ہی کوئی معیوب بات نظر آئیگی کوئی افریقن لباس پہن کر آئے گا، کوئی امریکن، کوئی انڈونیشین، کوئی جاپانی، کیا چیز ہے جو قدر مشترک ہے جس نے احمدی کو ایک رنگ دینا ہے؟ وہ لِبَاسُ التَّقْوٰى ہے۔

اس لئے اپنی یونیفارم ساتھ لے کر جانا نہ بھولیں۔ کیونکہ یونیفارم کے بغیر قومیں حسین منظر پیش نہیں کیا کرتیں۔ یونیفارم اجتماعی زندگی کا لازمی حصہ ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسی یونیفارم عطا فرمادی جو ہر ظاہری یونیفارم سے آزاد ہو چکی ہے اور وہ تقویٰ کا لباس ہے۔ احمدی اپنے تقویٰ سے پہچانا جائے۔ کسی رنگ میں ملبوس ہو، کوئی زبان بول رہا ہو۔ دیکھنے والی نگاہیں جان جائیں، معلوم کر لیں کہ یہ متقی لوگ پھر رہے ہیں۔ یہ ہم سے مختلف قوم ہیں، یہ خدا کے بندے ہیں، خدا کی طرف سے آئے ہیں، خدا کی خاطر آئے ہیں اور خدا کی طرف بلانے آئے ہیں۔

یہ وہ اہم بات تھی جس کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا تھا۔ سوچا تو آہستہ آہستہ مضمون پھیلتے پھیلتے کہیں سے کہیں نکل گیا۔ میں نے کہا چلیں اپنی سوچ میں آپکو بھی شامل کرلوں کہ جو سیر میں نے کی ہے آپ کو بھی اس میں ہم سفر بنالوں کیونکہ سپین کا سفر بھی ہم میں سے بہت سے اکٹھے کریں گے تو ان باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے لِبَاسُ التَّقْوٰى کو پیچھے نہ چھوڑ جائیں۔

دوسری بات میں ان لوگوں کے متعلق کہنی چاہتا ہوں جو پیچھے رہ جائیں گے ان میں سے بعض بڑا دکھ محسوس کر رہے ہیں۔ مجھے بڑے دردناک خط آ رہے ہیں، تڑپ رہے ہیں کہ کاش! ہم بھی وہاں جاسکتے۔ دعاؤں کے لئے لکھ رہے ہیں۔ ان سب سے میں کہتا ہوں کہ آپ زمان و مکان سے بالا ہو چکے ہیں۔ جس کا تعلق ربّ سے جڑ جائے جو زمان و مکان سے بالا ہے، اس کے بندے بھی بسا اوقات زمان و مکان سے بالا ہو جایا کرتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے کہ اگر آپ تقویٰ کا لباس یہاں پہن لیں تو ہوسکتا ہے کہ آپ کا جسم شریک نہ ہو آپ کی روح وہاں مسجد میں شریک ہو رہی ہو خدا کے نزدیک۔

اور تاریخ اسلام میں ایسے واقعات ہو چکے ہیں۔ ایسے ایسے عظیم الشان واقعات ہیں کہ انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اس بات کے سب سے زیادہ گواہ آپ ہیں جو اس وقت یہاں احمدی بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ بھی جو یہاں موجود نہیں۔ قرآن کریم گواہی دیتا ہے کہ آپ اس بات کے

گواہ ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ کہ ایسے لوگ آنے والے ہیں جو زمانی لحاظ سے بھی نہیں ملے اور مکانی لحاظ سے بھی نہیں ملے۔ مگر خدا گواہی دیتا ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے صحابہؓ میں ان کا شمار ہوگا۔ اب بتائیے! سپین تو پھر بھی گر پڑ کے پہنچ جائیں گے مگر کیا کوئی چودہ سوسال واپس بھی جا سکتا ہے؟ اس مکہ میں جا سکتا ہے جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پھرا کرتے تھے اور اپنے ربّ کی خاطر دکھ اٹھایا کرتے تھے؟ اس مکہ میں جا سکتا ہے جہاں حضرت بلالؓ گھسیٹے جاتے تھے گلیوں میں پتھریلی زمین پر؟ کوئی نہیں جا سکتا۔ اس مدینہ کی سیر نہیں ہوسکتی جو مدینہ تھا ظاہری طور پر۔ اینٹ پتھر کے ان شہروں کی سیر تو ہوسکتی ہے مگر قرآن کریم فرماتا ہے کہ وہی خدا ہے جو دوبارہ ایسے واقعات پیدا فرمادے گا کہ آنے والی نسلیں جن کا زمانی لحاظ سے بھی بُعد ہوگا اور مکانی لحاظ سے بھی بُعد ہوگا اور قومی لحاظ سے بھی بُعد ہوگا اور نسلی لحاظ سے بھی بُعد ہوگا۔ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ جب خدا کہتا ہے تو ہر چیز کٹ گئی۔ لیکن ان کی ایک چیز نہیں کٹی اور وہ ہے ان کی روح کے جذباتِ عشق جوان کو محمد مصطفیٰ ﷺ سے ہیں وہ جذبات انکوایسے پَر عطا کریں گے جن کے طفیل وہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے قدموں میں حاضر ہو جائینگے اور خدا آج گواہی دے رہا ہے کہ ایسی قوم آنے والی ہے۔ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ابھی تک تو نہیں آئے لیکن مل جائیں گے۔ حضور اکرم ﷺ کے غلاموں کے ساتھ۔

پس وہ خدا جو زمان و مکان سے بالا ہے جب انسان اس کی تقدیر پر راضی ہو جاتا ہے۔ جب اس کی رضا کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے تو اس کو بھی زمان و مکان سے بالا کیفیت عطا فرماتا ہے۔ دور بیٹھے اس کے حج ہو جاتے ہیں۔ بغیر ملے صحابی بن جایا کرتا ہے۔ اگر اس کو حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کرنے کی توفیق نہیں ملتی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا سلام اس تک پہنچ رہا ہوتا ہے۔ یہ ہے لِبَاسُ التَّقْوٰى کا نتیجہ۔ اس لباس سے عظیم الشان نتائج عطا ہوتے ہیں۔

پس پیچھے رہنے والوں کو غم کیا ہے۔ ان کے درد کی وجہ سے دعا کی تو توفیق ملتی ہے لیکن تعجب بھی ہوتا ہے کہ وہ رو کس بات پر رہے ہیں۔ کیا پتہ ہے ایسے جانے والے ہوں جن کو وہاں کی لذتیں اور سیریں زخمی بھی کر دیں۔ ان کے جانے کی نیتیں اور ہوں اور فائدہ اٹھانے کی بجائے نقصان اٹھا کر واپس آ رہے ہوں ایسا بھی تو ہوسکتا ہے۔ ابتلا بھی تو وہاں بڑے ہیں۔ نیتوں میں یہ بات شامل ہو کہ

سپین کی مسجد تو ہے سیر بھی خوب ہوگی۔ اگر مسجد کی سیر کا مقصد بالا ہے تو یہ چیزیں تو مل ہی جاتی ہیں۔ ان سے انکار نہیں ہے سیر بھی ہوتی ہے مومن کی۔ لیکن مقصد اوّل کیا ہے جو زندگی پر حاوی ہے بعض دفعہ انسان کو پتہ نہیں چلتا اور ٹھوکر کھا جاتا ہے۔ اس میں دوسرے جذبات کو خلط ملط کر دیتا ہے اور سارے کا سارا رجحان تباہ ہو جاتا ہے۔ وہ رخ صحیح نہیں رہتا جس کے تابع انسان قبلے کو پہنچا کرتا ہے۔ تو ان جانے والوں کے سامنے بھی تو بڑے بڑے ابتلا ہیں۔ آپ کے سامنے وہ ابتلا تو نہیں۔ آپ کے دل میں ایک درد ہے اور درد کی دعائیں ہیں۔ اگر خدا ان کو قبول کر لے تو آپ بھی شامل ہو جائیں گے۔

تذکرۃ الاولیاء میں مذکور وہ واقعہ آپ نے بارہا سنا ہے جسے حضرت مصلح موعود نے بھی بارہا بیان فرمایا۔ وہ اسی مضمون کی تشریح کرتا ہے۔ کہتے ہیں ایک دفعہ ایک ولی جو بہت بڑے بزرگ تھے ان کو حج کی توفیق ملی۔ رؤیا میں دیکھا کہ فرشتے باتیں کر رہے ہیں کہ اس دفعہ کسی آنے والے کا تو حج ہوا نہیں ہاں فلاں شخص کا ہوا ہے جو نہیں آیا اور اس کے طفیل خدا تعالیٰ نے بعض آنے والوں کے حج بھی قبول کر لئے۔ جب انہوں نے یہ حیرت انگیز واقعہ سنا تو انہوں نے فرشتے سے پوچھا کہ تم کیا قصہ بیان کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا حج قبول ہوا ہے، لیکن تمہاری وجہ سے نہیں۔ خدا کی نظر میں ایک ایسا حاجی ہے جو حج پر تو نہیں آیا لیکن اس کا حج خدا تعالیٰ کو اتنا پیارا لگتا ہے کہ اس کے صدقے اس نے بہت سے دوسرے حاجیوں کے بھی حج قبول کئے۔ مگر ان کا ذاتی فیض نہیں ہے۔ انہوں نے فرشتے سے پوچھا وہ کون شخص ہے۔ اس نے کہا ہم تمہیں پتہ بتا دیتے ہیں خود ہی جا کر اس سے پوچھ لو۔ چنانچہ رؤیا میں ہی اس شخص کا پتہ بتایا گیا جو دمشق کا رہنے والا ایک موچی تھا۔ انہیں پتہ یاد رہا۔ چنانچہ وہ اس شہر گئے۔ محلہ کی تلاش کی اور اس کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اس کی زیارت سے اپنی آنکھیں سیر کیں اور عرض کیا کہ اے خدا کے بندے! تجھ میں وہ کیا بات ہے جو خدا کو اتنی پسند آئی کہ تیرا حج قبول ہو گیا؟ اس کی حالت زار ہو گئی کہ میں تو جا نہیں سکا میرا حج کیسے قبول ہو گیا؟ اس نے کہا مجھے خدا نے بتایا ہے اور تیرا پتہ بھی خدا نے بتایا ہے۔ مجھے یہ بات بتا جو مجھے نہیں بتائی گئی کہ یہ کیا واقعہ ہے؟ اس نے کہا مجھے تو صرف اتنا پتا ہے کہ بڑا لمبا عرصہ میں نے بچوں کے پیٹ کاٹے، خود غربت میں گزارا کیا اور حج کے شوق میں پیسے جمع کئے اور اس کی وجہ سے بعض دفعہ گھر میں ہفتوں گوشت نہیں پکتا

تھا اور ہم اسی طرح گزارا کرتے تھے تاکہ میرا حج کا شوق پورا ہو جائے۔ ایک دن ہمسائے سے گوشت کی خوشبو آئی۔ گوشت پکنے کی بڑی اچھی مہک اٹھی (اور بھوکے کو تو یہ خوشبو اور بھی اچھی لگتی ہے) میری بیوی نے کہا کہ دیکھو یہ تو ٹھیک ہے کہ مانگنا برا ہے لیکن ہمسائیگی کا بھی تو حق ہے نا جو اللہ تعالیٰ نے قائم فرمایا ہے۔ تم دروازہ کھٹکھٹاؤ اور ان کو کہو کہ میرے بچے بھی ایسے ہیں جو بھوکے ہیں تم ان کے لئے تھوڑا سا گوشت دے دو اس لطف میں ہم شریک ہوں گے اور خدا تمہیں جزا دے گا۔ ہمسایہ باہر نکلا اور جب اس سے یہ کہا گیا تو اس نے بڑی لجاجت سے کہا کہ آپ مجھ سے یہ کام نہ کروائیں۔ کچھ نہ پوچھیں۔ یہ سمجھے کہ شائد جان بوجھ کر Avoid کرتا ہے۔ اس بات کو ہٹانا چاہتا ہے اور گوشت نہیں دینا چاہتا۔ اس نے پھر کہا بھائی اب میں مانگ بیٹھا ہوں میری عزت رکھ لو اور مجھے کچھ دے دو۔ اس میں کیا حرج ہے۔ اس نے کہا میرے لئے حلال ہے، تمہارے لئے حرام ہے، اس لئے نہیں دے رہا۔ اس نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک مومن کے لئے حلال ہو، ایک مومن کے لئے حرام ہو۔ اس نے کہا ہو کیوں نہیں سکتا؟ قرآن کہتا ہے ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ جب بھوک یہاں تک پہنچ جائے کہ فاقے کر رہے ہو تو اس وقت تمہارے لئے سؤر بھی حلال ہے کیونکہ خدا کی نظر میں زندگی کو فوقیت دی جائے گی۔ اس وقت حلال وحرام کے قصے اٹھ جاتے ہیں۔ تو مجھے اور میرے بیوی بچوں کو اتنے فاقے تھے کہ وہ وقت آ گیا تھا جب حلال وحرام کی قید خدا نے ہم سے اٹھا لی۔ اس وقت میں باہر نکلا تو ایک مرا ہوا گدھا دیکھا اس کا گوشت کاٹا جو میں نے پکایا ہے۔ اب تم کہتے ہو کہ ہم دونوں کے لئے کس طرح ایک حکم نہیں ہے؟ ہمارے لئے الگ الگ حکم ہے۔ وہ موچی کہتے ہیں میرا دل ہل گیا۔ میرے دل پر زلزلہ برپا ہو گیا۔ میں نے کہا اے خدا! میری ساری عمر کی محنتیں رائیگاں گئیں۔ جبکہ میرا ہمسایہ بھوکا مر رہا ہے۔ اس حج کا کیا فائدہ وہ حج میرے کس کام آئے گا۔ اگر ہمسایہ گواہ ہو جائے گا مجھ پر کہ میں انسانیت کے ادنیٰ مقام پر بھی فائز نہیں۔ اس نے جو پونجی تھی اٹھا کر اپنے ہمسائے کو دیدی اور حج کا ارادہ ترک کر دیا۔ (تذکرۃ الاولیاء صفحہ: ۱۰۸)

عالم الغیب خدا ہے زمانوں سے بھی آزاد ہے، مکان سے بھی آزاد ہے۔ جس دن یہ واقعہ ہوا بیت اللہ اس شخص کے گھر پہنچ گیا۔ خدا وہاں چلا آیا کہ اے بندے تیری روح میرا طواف کرتی ہے۔ تو دنیا کی قیدوں سے آزاد ہے میں تیرا حج قبول کرتا ہوں، میں لبیک کہتا ہوں تیری آواز پر۔ یہ

واقعات بھی دنیا میں ہو جاتے ہیں۔ پیچھے رہنے والوں سے میں کہتا ہوں کہ دعائیں کریں اور موجیں کریں بے نیاز ہو جائیں ان باتوں سے کہ وہ جا سکتے ہیں یا نہیں جا سکتے۔ تقویٰ کا لباس اوڑھ کر یہیں اس مسجد کا طواف کریں جس مسجد کے طواف کے لئے کچھ لوگوں کو جسمانی طور پر جانے کی توفیق مل رہی ہے۔ دعاؤں سے مدد کریں۔ اہل سپین کے لئے دعا کریں اور ان مقاصد کے اعلیٰ تر ہونے کے لئے دعائیں کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہو ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ جو جا سکے ہیں ان کی نیکی بھی قبول ہو جو نہیں جا سکے ان کی بھی قبول ہو جائے۔ خدا کی راہ میں ہم یہ منظر دیکھیں:

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور نے فرمایا:

جیسا کہ امیر صاحب نے اعلان فرمایا تھا، جماعت کراچی کی طرف سے میرے بڑے بھائی مکرم محترم صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب نے مجھے توجہ دلائی کہ یہ موقعہ ایسا ہے کہ بہت سے لوگوں کو خواہش ہوگی کہ ہم بھی دستی بیعت کر لیں تو آپ جمعہ کے بعد وقت دے دیں۔ میں نے انہیں **جزاکم اللہ** کہا کہ آپ نے بڑی اچھی طرف، نیکی کی طرف توجہ دلائی۔ ان سے میں نے گزارش کی کہ وہ امیر صاحب سے بات کر لیں۔ چنانچہ اسی کے نتیجہ میں ابھی امیر صاحب نے بھی یہ اعلان کیا ہے۔

تو بیعت کے وقت جیسا کہ بتایا گیا ہے، صفوں میں ہی بیٹھے رہیں۔ زیادہ سے زیادہ ہاتھ رکھنے کے لئے اگر تھوڑا سا آگے سرکنا پڑے تو وہ مجبوری ہے۔ لیکن نظم وضبط کے ساتھ، خاموشی کے ساتھ اسی طرح بیٹھے رہیں، جس طرح ربوہ میں بیعت ہوئی تھی ادنیٰ سی بھی بدنظمی نہیں ہوئی۔ پورے کا پورا مجمع، اندر بھی اور باہر بھی پوری خاموشی سے بیٹھا رہا اور ایک دوسرے کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دیے جسمانی رابطہ کے اظہار کیلئے۔ ورنہ اصل رابطہ تو قلب کا خدا سے ہوا کرتا ہے۔ اسمیں جسمانی رابطے کی ضرورت نہیں۔ مگر یہ بھی سنت اولیاء اور سنت انبیاء ہے اس لئے ہم اس سنت کو اختیار کرتے ہیں۔ یہ وضاحت میں اس لیے کر رہا ہوں کہ بچے بھی ہوتے ہیں، نئی نسل، نئے آنے والے بھی ہیں ان کو حکمت سمجھ آجائے اور ہم بدن کے واسطے پر اس لئے زور نہیں دے رہے کہ گویا بدن کے راستے سے

خلوص بہتا ہے بلکہ اس لئے کہ ہمارے بزرگوں کی انبیاء علیہم السلام کی یہ سنت ہے کہ ظاہری رابطہ بھی قائم کرلیا کرتے ہیں۔ صحابہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب بیعت لیا کرتے تھے تو جو نہیں پہنچ سکتے تھے وہ پگڑیاں کھول کر پھینک دیا کرتے تھے کہ پگڑی کے راستے سے تعلق قائم ہو جائے۔ تو اسی سنت کی پیروی میں ہم یوں کریں گے۔ ورنہ میرے جسم سے ذاتی رابطہ جو ظاہری ہے اس کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ سنت ابرار ہی ہے جو ان چیزوں میں معنی پیدا کرتی ہے۔ پھر ہم نماز کے بعد انشاء اللہ بیعت کریں گے اور اس کے بعد دعا ہوگی، پھر رخصت ہوگی۔

بیعت لینے سے قبل حضور نے فرمایا:

”امیر صاحب کراچی میرے ہاتھ میں ہاتھ دیں۔ باقی دوست بھی جو قریب ہیں ہاتھ رکھ لیں۔“

(روزنامہ الفضل ربوہ ۸؍ستمبر ۱۹۸۲ء)